



سوال

(04) اولی الامر کا مطلب

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قرآن کریم میں سورۃ النساء میں آیت کریمہ ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ** (النساء: ۵۹) اس آیت کریمہ میں ”أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ سے کیا مراد ہے کیا اس آیت سے تقلید شخصی کے لیے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ ؟

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد!

اس آیت کریمہ میں ”أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ سے مسلمانوں کے حکام مراد ہیں کیونکہ وہی صاحب امر ”أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ ہیں پھر چاہے وہ علماء میں سے ہوں یا غیر علماء میں سے مگر وہ علماء جو صاحب امر نہیں وہ ”أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ دیگر الفاظ میں مذکورہ آیت امت مسلمہ کو اپنے امراء کی اطاعت کا حکم فرما رہی ہے اسی طرح کئی احادیث مبارکہ میں بھی امراء کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے، کیونکہ اسلام کا ایک اپنا نظام دستور اور قانون یا آئین ہے اور وہ حکومت میں اقتدار کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا اس لیے کتاب و سنت مسلم میں امراء و حکام کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے تاکہ وہ امت مسلمہ میں ربانی قانون نافذ کر سکیں۔ مگر ان حکام کی اطاعت غیر مشروط ہرگز نہیں بلکہ ان کی اطاعت تب تک کی جائے گی جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے احکامات اور ان کی سنت و طریقت کی مخالفت نہ کریں ورنہ اگر ان کا کوئی بھی امر یا حکم کتاب و سنت کے خلاف ہوگا تو اس صورت میں ان کی اطاعت ہرگز جائز نہیں یہی سبب ہے کہ جو آیت کریمہ سوال میں تحریر کی گئی ہے اس میں ”أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ کے بعد یہ الفاظ مبارک ہیں :

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء: ۵۹)

”اگر کسی بات میں اختلاف کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹنا اور اگر تمہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان ہے۔“

یعنی تنازعہ اور اختلاف کی صورت میں پورا پورا معاملہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی طرف یا کتاب و سنت کی طرف لٹایا جائے گا پھر جس کی بات کتاب و سنت کے موافق ہوگی تو صحیح ورنہ غلط۔

اور یہ تنازعہ یا اختلاف تب ہی وجود میں آتا ہے جب کوئی شخص (حاکم یا عالم) کوئی حکم یا مسئلہ بتاتا ہے مگر اس کے برخلاف اور اس کی فتویٰ کتے مخالفت کوئی کتاب اللہ کی آیت ہوتی ہے یا کوئی حدیث شریف ورنہ اگر حاکم کا حکم یا عالم کی فتویٰ کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو تو پھر جھگڑا اور اختلاف پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ اطاعت بالاتر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہی ہے نہ کہ اس حاکم کی کیونکہ وہ حاکم قانون ساز قطعاً نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے قانون کو نافذ کرنے والا ہے قانون سازی کا اختیار صرف اللہ



تعالیٰ کو ہی ہے، جیسے فرمایا:

إِنَّا نَحْنُ وَإِلَهُ (الانعام: ۵۷)

”اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں (چلتا)۔“

ایک اور جگہ فرمایا:

أَمْ أَمْثَلُ مَثَرًا شَرًّا مِمَّا نَأْتُونَ مِنَ اللَّهِ (الشوری: ۲۱)

”کیا ان کے لیے شر کا یہ جنسوں نے ان کے لیے دین میں وہ چیزیں مشروع کر دی ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔“

اسی طرح حدیث میں ہے کہ:

((الطاعة لمخلوق في معصية الخالق)) (۱)

”یعنی جس بات یا کام کرنے سے خالق کی نافرمانی لازم آئے اس میں کسی بھی مخلوق کی ”خواہ“ وہ ماں باپ ہو خواہ عالم خواہ کوئی امیر یا حاکم ”اطاعت نہیں کرنی۔“

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی ان کے ارشادات عالیہ کی خلاف ورزی میں لازم آتی ہے۔ لہذا اس صورت میں کسی کی اطاعت نہیں کرنی۔ یہی مطلب سیاق و سباق کے موافق ہے اور قرآن و حدیث کے بالکل مطابق ہے۔ اس میں تقلید شخصی کا نام و نشان بھی نہیں اس کا اثبات تو دور کی بات ہے لیکن اگر

”علی سبیل التنزیل“ یہ تسلیم بھی کیا جائے تو اولی الامر سے مراد علماء ہیں، یعنی مطلق علماء خواہ وہ صاحب امر ہوں یا نہ ہوں، تو بھی اس سے تقلید شخصی کا اثبات ہرگز نہیں ہوتا کیونکہ آیت کریمہ کا یہ حصہ جو اوپر ذکر کیا گیا ہے یعنی

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (مائدہ: ۴۹)

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (مائدہ: ۴۹)

(۱) مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۶۶، رقم الحدیث: ۲۰۶۸۰

کی صورت میں ربانی ارشاد ہے کہ وہ مکمل معاملہ کتاب و سنت کی طرف لوٹایا جائے آپ دیکھیں کتنے ہی مسائل ہیں جن میں علماء کا اختلاف ہے۔

مثلاً ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلہ کے متعلق کچھ فرماتے ہیں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس ارشاد فرماتے ہیں اور مالک رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں سے مختلف تیسری بات کہتے ہیں اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا راستہ ان تینوں سے الگ ہے اب اس صورت میں ہمارے ایمان کا تقاضا **إِن كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ** کے مطابق ہے؟ ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ ان چاروں ائمہ کرام کے اختلاف کو نظر انداز کر کے ہمیں پورا معاملہ مسئلہ مختلف فیہا کو کتاب و سنت کی طرف لوٹا دینا ہے پھر اس عدالت عالیہ ”سپریم کورٹ“ کی طرف سے جس کی بات یا فتویٰ کے متعلق صحت کا فیصلہ صادر ہوگا اس کی بات درست اور دوسری غلط ہوگی اور اگر ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ کتاب و سنت نے اس مسئلہ کے متعلق یہ فیصلہ دیا ہے تقلید تو ختم ہو گئی کیونکہ تقلید کی تعریف میں ”جو علماء اصول فقہ نے لکھی ہے“ عدم علم داخل ہے یعنی اصول فقہ کے مطابق تقلید کی تعریف یہ ہے:

((أخذ قول الغير من غير معرفة دليله)) (۱)

یعنی کسی کی بات اس کی دلیل معلوم کیے بغیر لے لینا۔ پھر اگر اسے اس مسئلہ کی دلیل کا علم ہو گیا تو تقلید از خود ختم ہو گئی۔ مطلب کہ اختلاف کی صورت میں کسی ایک شخص کی اتباع



یا تقلید اس کی دلیل معلوم کیے بغیر کرنا بالکل ناجائز ہے، لیکن اگر وہ مسئلہ مختلف فیہ نہیں بلکہ امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے تو اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ کتاب و سنت کے خلاف قطعاً نہیں کیونکہ

((لا تجتمع امتی علی ضلالة او کما قال)) (۲)

حدیث شریف وارد ہوئی ہے لہذا امت کا اجماع ایسی ہی بات پر ہوتا ہے جو کتاب

(۱) شرح جمع البوامع، جلد ۲، صفحہ ۲۵۱.

(۲) کشف الخفا للعجلونی، جلد ۲، صفحہ ۳۱۸، حوالہ معجم الکبیر

و سنت کے موافق ہوتی ہے نہ کہ مخالف تو اس صورت میں بھی تقلید شخصی کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ کسی بھی عالم ربانی اور حق پرست سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا کیا ارشاد ہے۔

خلاصہ کلام:۔۔۔۔۔ اگر وہ خود عالم ہے اور کتاب و سنت سے استنباط کی لیاقت رکھتا ہے تو اسے تمام مسائل میں از خود کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اگر وہ خود عالم نہیں تو بمصدق:

فَإِنَّمَا أَتَى الَّذِينَ كَفَرُوا قُلُوبُهُمْ لِيُذَكِّرُوا أَنَّهُمْ لَآتَيْنُوا رُسُلَهُمْ إِلَّا كَفَرُوا (النحل: ۴۳)

کسی بھی حق پرست اور کتاب و سنت کا صحیح علم رکھنے والے سے دریافت کر سکتا ہے لیکن اس طرح نہیں کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے بلکہ اس طرح کہ اس مسئلہ کے متعلق کتاب و سنت کا کیا فیصلہ ہے تاکہ وہ اہل الذکر فتویٰ کے لیے دلیل پیش کرے تو اس صورت میں تقلید ختم ہوگئی۔ تقلید تو اس وقت باقی رہتی جب اس عالم دین سے اپنی رائے دریافت کی جاتی اور وہ اس مسئلہ کے متعلق کتاب و سنت سے کوئی دلیل پیش نہ کرتا اور پھر محض اس کی مجرد رائے پر عمل کیا جاتا شریعت اسلامی میں اس طرز عمل کی اجازت نہیں یہی وجہ ہے کہ خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: ”جس شخص کو بھی بیماری کسی بھی فتویٰ کی دلیل معلوم نہ ہو تو اس پر ہماری فتویٰ کے مطابق فتویٰ دینا حرام ہے۔“

مطلب کہ تقلید کو تو خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حرام قرار دیتے ہیں کیونکہ جب اس مسئلہ کی دلیل معلوم کرنا لازم ٹھہری تو تقلید ختم ہوگئی۔ بہر حال کیا کتاب و سنت اور ائمہ کرام و سلف عظام رحمہم اللہ کے اقوال صرف اتنی بات کے محتمل ہیں کہ اگر کوئی شخص جاہل ہے یعنی اسے از خود کتاب و سنت سے مسائل استنباط کرنے کی صلاحیت نہیں تو اسے اجازت ہے کہ کسی بھی عالم لاعلیٰ التعمین سے پوچھے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ ساتھ میں کتاب و سنت کی دلیل بھی پیش کرے تو آپ لوگ اگر اس کا نام تقلید رکھتے ہیں تو یہ آپ کے بس کی بات ہے اگرچہ اصطلاحاً ”یعنی علی اصطلاح اصول الفقہ“ اسے تقلید کہنا قطعاً غلط ہے۔ لیکن مذکورہ آیت کریمہ بلکہ کسی اور آیت میں تقلید شخصی یعنی معین شخص کی اتباع و تقلید کو اپنے اوپر لازم و ضروری قرار دینے کا ثبوت ہرگز ہرگز نہیں ملتا کیونکہ اگر اولی الامر سے مراد علماء و ائمہ لیے جائیں تب بھی اس آیت میں اتباع کا حکم لاعلیٰ التعمین ہے یعنی خاص کسی عالم یا شخص کی اتباع کا حکم نہیں۔ لہذا اس سے یہ استدلال کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ تم امام ابو حنیفہ یا امام شافعی رحمہم اللہ کی تقلید ہر مسئلہ میں اپنے اوپر لازم کر لو یعنی:

فَإِنَّمَا أَتَى الَّذِينَ كَفَرُوا قُلُوبُهُمْ لِيُذَكِّرُوا أَنَّهُمْ لَآتَيْنُوا رُسُلَهُمْ إِلَّا كَفَرُوا (النحل: ۴۳)

”پس تم اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔“

میں ”إِن كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ کی شرط تو تقلید کو ناجائز قرار دیتی ہے پھر یہ جو علماء احناف مسند تدریس پر بیٹھ کر حدیث و تفسیر فقہ و اصول صرف و نحو، معانی و بیان وغیرہ وغیرہ پڑھاتے رہتے ہیں اور کتاب و سنت کے نکات بیان کرتے رہتے ہیں، فقہ کے مسائل کی موشگافیوں میں مشغول رہتے ہیں آخر انہیں تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن اس



کے باوجود بھی تقلید کرتے ہیں۔ تو وہ اتنے علم کے باوجود اپنے آپ کو غیر عالم یا جاہل قرار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہربانی و نعمت ”علم“ کا بھی انکار کرتے ہیں اور احسان فراموش بنتے ہیں بہر حال عالم کے لیے تقلید جائز نہیں باقی رہا جاہل تو اسے ان آیات کے مطابق صرف کسی عالم سے بچ دلیل مسئلہ دریافت کرنے کی اجازت ہے لیکن ”لا علی التبعین والتشخص“ اور اس صورت میں بھی تقلید باقی نہیں رہتی بلکہ عالم جاہل کو مسئلہ کی دلیل پیش کرے گا اور وہ دلیل کی اتباع کرے گا نہ کہ اس کی مجرد رائے کی بہر حال تقلید کی یہاں بھی جڑا کھڑ گئی گویا ان آیات سے تو مطلق تقلید بھی ثابت نہیں ہوتی پھر اگر کوئی اتباع بالذلیل کو تقلید کا نام دے پھر لکھنچ کر اسے جا کر تقلید شخصی تک پہنچا دے تو وہ اپنے علم، عقل، صداقت و امانت، سمجھ، انصاف و عدالت کا بے دردی سے خون کر رہا ہے۔

الغرض کہ آیات کریمہ میں تقلید کی طرف اشارہ تک موجود نہیں چہ جائیکہ ان کو تقلید شخصی کے ثبوت کے لیے پیش کرنے کی جسارت کی جائے علاوہ ازیں تقلید شخصی اس وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ مقلد اپنے قبوع کو رسالت کے منصب تک پہنچاتا ہے۔

کیونکہ کسی کو یہ سرٹیفکیٹ دینا کہ اس کی تمام باتیں سو فیصد تک درست ہیں اس کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی یہ عمل اسے نبوت کے درجہ پر پہنچانے کے مترادف ہے اگرچہ زبان سے ہزار بار کہہ دے کہ میں اسے رسول تصور نہیں کرتا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ اس کا ہر ارشاد صحیح ہوتا ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ ۓ إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ مُّوحًّى (النجم ۳: ۴)

”وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتا مگر وہ جو وحی کی جاتی ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو یہ منصب نہیں ملا پھر بھی اگر کسی اور کو ایسا سمجھ کر اس کی اتباع و تقلید کو لپٹنے اور لازم قرار دینے کا یہی مطلب ہے کہ اسے منصب رسالت پر کھڑا کرنا ہے کیونکہ عمل انسان کے عقائد و تصورات کا عنوان ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ تقلید بدعت سینہ ہے خیر القرون میں اس بدعت سینہ کا کوئی نام و نشان نہ تھا چار سوسالوں کے گذر جاتے ہیں لیکن تقلید شخصی ناپید ہے اور نہ ہی کتاب و سنت میں کوئی ایسا ارشاد موجود ہے کہ تم کسی ایک کو معنی ”معین شخص کو“ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ہر مسئلہ و معاملہ میں اپنا قبوع اور مقتدا بنانا پھر بدعت سینہ کس طور پر دین کا مرجع بن سکتی ہے؟ شاید کوئی یہ کہے کہ تقلید شخصی پر امت کا اجماع ہو گیا ہے لہذا ((لا تجتمع امتی علی ضلالۃ)) کے مطابق درست قرار پائے گی اور تقلید شخصی جائز بلکہ لازم ہوگی۔ اس کے لیے یہ گزارش ہے کہ اجماع کی دعویٰ صرف وہی کر سکتا ہے جو یا تو جاہل ہے یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے آخر جس بات کا صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے عہد مبارک میں کوئی سراغ نہیں معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق بعد کے ادوار میں اجماع کیسے ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں اجماع کرنے والے خود مقلدین ہیں اور مقلد جاہل ہیں پھر کیا کچھ جاہلوں کے کسی بات پر متفق و متحد ہونے والی بات اہل علم کے نزدیک بھی قابل عمل بن سکتی ہے آج کل جہاں کئی رسومات کو بجالاتے ہیں ان پر سختی سے عمل پیرا ہوتے ہیں گویا ان کی طرف سے ان پر اجماع ہے۔ مثلاً عرس، گیارہویں، تیجہ، رجب کے کوندے وغیرہ وغیرہ کیا یہ سب بدعتی اعمال جمال کے اجماع کی وجہ سے اب دین حق کے ضروری اجزائے بن جائیں گے؟ ہرگز نہیں اسی طرح تقلید شخصی پر بھی ان مقلدین کا اجماع تو ہو لیکن مجتہدین تو سب ہی اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول پہلے درج کر آئے ہیں، تقریباً باقی تمام ائمہ سے بھی اس طرح کی عبارات مستقول ہیں جو کہ طوالت کے خوف سے یہاں درج نہیں کی جاتیں اب خود سوچیں کہ ایسے مقلدین کے اجماع کی کیا وقعت و حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ افسوس کہ آج کل حق کو پہچاننے والی آنکھ بہت مشکل سے کہیں جا کر نظر آتی ہے بہر حال تقلید شخصی بدعت سینہ اور ناجائز اور کتاب و سنت کی رو سے باطل ہے اور اس کا ثبوت کتاب و سنت میں قطعاً موجود نہیں اور مذکورہ بالا آیت سے اس کا ثبوت پیش کرنے کی سعی کرنا مذموم جسارت اور بدترین جہالت ہے۔ اعاذنا اللہ منها

ابھی اس کے متعلق کچھ مزید کی گنجائش ہے لیکن اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے کیونکہ جواب کافی طویل ہو گیا ہے۔



مجلس البحث والدراسات
محدث فتویٰ

فتاویٰ راشدیہ

صفحہ نمبر 65

محدث فتویٰ